بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر تفسیر سورۃ الفاتحہ

تعارف:

سورۃ فاتحہ قرآنِ مجید کی سب سے پہلی سورت ہے، جس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ فاتحہ کے معنی آغاز اور ابتداء کے ہیں، اس لیے اسے الفاتحہ یعنی فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے۔ اس سورت کے اور بھی متعدد نام احادیث سے ثابت ہیں۔ مثلاً ام القرآن، السبع مثانی، القرآن العظیم، الشفاء، الرقیہ (دم) وغیرہ۔

فضائل سورہ فاتحہ:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اک دن جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے اوپر ایک زوردار آواز سنی، انہوں نے اپنا سر اٹھایا۔ پھر فرمایا: ''یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔'' پھر فرمایا: ''یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا۔'' پھر اُس فرشتے نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور دو (۲) نوروں کی خوشخبری دی اور کہا: ''یہ دو نور آپ کو ہی دیئے جا رہے ہیں، آپ ﷺ سے پہلے کبھی کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات۔ آپ ﷺ جب کبھی ان دونوں میں سے کوئی کلمہ تلاوت کریں گے تو آپ ﷺ کی طلب کردہ چیز ضرور عطا کی جائے گی۔'' (صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحہ)

زمانہ نزول:

یہ سورت مکی ہے (مکی سورتیں وہ ہوتی ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئی ہو اور مدنی سورتیں وہ ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی)۔ اس سورت کا ترتیب نزول کے لحاظ سے پانچواں نمبر ہے۔ گویا یہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔

تعوذ اور تسمیہ:

تلاوت سے پہلے تعوذ یعنی ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' پڑھنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾ (سورۃ کھف: ۹۸)

''قرآن پڑھتے وقت راندے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔''

سورت شروع کرنے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بھی پڑھنا ضروری ہے۔ یہ تسمیہ کہلاتا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ کے مبارک نام سے ابتداء کرتا / کرتی ہوں، اس کی مدد طلب کرتے ہوئے جو الٰہ حقیقی ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ سورت کے علیحدہ ختم ہونے کو نہیں پہچانتے تھے جب تک بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل نہ ہوئی۔'' (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷۸۸، اسنادہ صحیح)

بسم اللہ	الرحمن	الرحیم
شروع اللہ کے نام سے	جو بڑا مہربان	نہایت رحم کرنے والا ہے

الحمد	لِ	اللہ	رب	العالمین
تمام تعریفیں	لیے	اللہ کے لیے	جو پالنے والا	تمام جہانوں کا

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کیونکہ تعریف کا اصل مستحق اور حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ کسی کے اندر کوئی خوبی، حسن یا کمال ہے تو وہ بھی اللہ کا پیدا کردہ ہے۔

حمد اور شکر میں لغوی فرق:

حمد کے معنی تعریف بھی ہو سکتا ہے اور شکر بھی تعریف عام ہے، اور شکر خاص۔ مثلاً

اللہ تعالیٰ نے جو زمین و آسمان، شجر و حجر بنائے ہیں۔ اس پر اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے اور شکر کا تعلق خاص ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو اشرف المخلوقات بنانا، کسی کو صحت و رزق کی نعمتوں سے مالا مال کرنا وغیرہ۔ ایسی نعمتوں کا اعتراف کرنا شکر ہے۔ وہ رب ہے، پروردگار ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس ایک آیت میں بہت وسعت ہے وہ خالق بھی ہے، رازق بھی ہے، مالک بھی ہے، ہدایت دینے والا بھی ہے۔ اعمال کا بدلہ دینے والا بھی ہے اور تمام جہانوں کی مخلوقات کو رزق وہی دے رہا ہے ، ان مخلوقات کی تمام ضرورتوں کو وہ اکیلا ہی پورا کر رہا ہے۔ مثلاً جنات، انسان، جانور، چرند و پرند، پھول و پودے، سمندر کی مخلوقات ، ملائکہ ، پہاڑوں کی مخلوقات ، کیڑے مکوڑے غرض کے ان تمام مخلوقات کی ضروریات وہ ایک، اکیلا رب العالمین پوری کر رہا ہے۔

اور صرف یہی نہیں جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی، جنتی اور جہنمیوں کا فیصلہ ہو جائے گا اور جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس وقت بھی ایک اللہ ہی پالنے والے ہوں گے، جو رب العالمین ہے۔

الرحمن	الرحیم
نہایت مہربان	بہت رحم کرنے والا

اللہ سبحان و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (الاعراف: ۱۵۶)

”میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔“

﴿ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ﴾ (الانعام: ۱۴۷)

”تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔“

مندرجہ بالا آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحان و تعالیٰ کی رحمت بڑی وسیع ہے یعنی وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں:

”لو يعلم الكافر ما عند الله من الرحمة ما قنط من جنته احد“

”اگر کافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پاس کتنی رحمت ہے تو کوئی بھی اللہ کی جنت سے نا امید نہ ہو“ (صحیح مسلم، كتاب التوبة باب في سعة رحمة الله تعالىٰ، ج، ص ۴۹۴)

اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگائیے کہ اللہ کی رحمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اسی حدیث میں موجود ہے کہ رحمن دنیا پر اور رحیم آخرت میں ہوگا اللہ تعالیٰ۔ یعنی دنیا میں اللہ کی رحمت عام ہے جس سے بلا تخصیص کافر، مشرک، مومن سب فیض یاب ہو رہے ہیں۔ لیکن آخرت میں وہ صرف رحیم ہوگا اور اس کی رحمت صرف مؤمنین کے لیے خاص ہوگی۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں:

”لما قضى الله الخلق كتب عنده فوق عرشه ان رحمتي سبقت غضبي“

”جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا تو اپنے پاس عرش پر لکھ دیا ”بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی“۔“ (صحیح بخاری، کتاب التوحید، ج۹، ص۱۶۰)

مالك	يوم	الدين
مالک	دن	بدلے گا

اللہ تعالیٰ حساب و کتاب، سزا و جزا، اور بدلہ کے دن کا مالک ہے۔ یہ بدلہ کا دن آنے والا ہے اور آ کر رہے گا۔ اس کی کیفیت و حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

اللہ سبحان و تعالیٰ بروزِ قیامت فرمائیں گے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

”آج کس کی بادشاہی ہے؟“

پھر جواب دے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن: ۱۶)

”صرف ایک غالب اللہ کی“

یعنی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی یوم الدین کا مالک ہے۔اس دن صرف اسی کی بادشاہت ہوگی، اُسی کو اختیار ہوگا کہ نفع پہنچائے یا نقصان، دوسرے تمام بے بس ہوں گے، لاچار ہوں گے، کسی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ کوئی پیر، فقیر، بابا کسی کو نفع پہنچا سکیں گے نہ نقصان۔ اس دن اگر کوئی کام آئے گا تو صرف وہ ہی جو اس دن کا بادشاہ ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اپنی بادشاہت کا ذکر کرتے ہیں۔

الفرقان: ۲۶، الحج: ۵۶، الانعام: ۷۳، سبا: ۴۲۔

ایاك	نعبد	و	ایاك	نستعین
صرف تیری ہی	ہم عبادت کرتے ہیں	اور	صرف تجھ ہی سے	ہم مدد چاہتے ہیں

آیت کا ترجمہ یہ ہوگا:

"اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں (کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے) اور اے اللہ! ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں (کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے)۔"

عبادت کرنا:

عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا ﴾ (النساء: ۳۶)

"اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرو۔"

❶ عبادت کے معنی توحید کے بھی ہیں۔ لہٰذا اس معنی کے لحاظ سے ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کے معنی یہ ہوئے "اے اللہ! ہم تجھ کو ایک مانتے ہیں، تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، تو ذات و صفات، اور اپنے تمام کمالات میں یکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ (الاخلاص: ۱)

"کہو کہ اللہ ایک ہے۔"

سورۃ اخلاص ایک ایسا پیمانہ ہے جو جھوٹے اور حقیقی خدا کے درمیان فیصلہ کرتی ہے۔

سورۃ الاخلاص کی چار آیات ہیں، پہلی آیت "کہو کہ اللہ ایک ہے" ہندوستان میں ہزاروں کی تعداد میں بتوں اور باطل خداؤں کی عبادت ہوتی ہے، مثال کے طور پر عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اقانیم ثلاثلہ یعنی اللہ تعالیٰ کا جزء قرار دیتے ہیں۔ اب ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی ہیں؟ جواب نفی میں ہے نہیں بلکہ ان جیسے اور ان سے بہتر اور پیغمبر بھی گزر چکے ہیں۔

سورۃ الاخلاص کی دوسری آیت "اللہ بے نیاز ہے" یعنی اُسے کسی کی کوئی پرواہ و حاجت نہیں۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام بے نیاز تھے؟ بائبل ہی ہمیں جواب دیتی ہے کہ انہیں بھوک بھی لگتی تھی اور وہ کھانا بھی کھاتے تھے۔ (مرقس: ۱۱۔۱۲۔۱۴)

یعنی وہ کھانے کے محتاج تھے تو وہ بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح تیسرا امتحان ہے "اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا" کیا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ نہ تھیں؟ یقیناً انہیں ان کی والدہ مریم علیہا السلام نے جنم دیا اور باپ اس لیے نہ تھے کہ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے لیکن یہ دونوں کسی کو بھی اپنے حکم سے پیدا نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ دونوں ہی پیدا ہوئے تھے مگر پیدا کرنے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اب رہا چوتھا امتحان کہ اللہ کی برابری کا کوئی ایک بھی نہیں۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کی برابری کا کوئی بھی نہیں؟ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ جلیل القدر انبیاء گزرے اور عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ (آل عمران: ۵۹)۔ کیا اللہ تعالیٰ کی کوئی مثال ہے؟ "لیس کمثلہ شئی" اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی نہیں۔ لہٰذا الاخلاص سورۃ پر ایک اللہ کے علاوہ کوئی بھی پورا نہیں اتر سکتا۔

❷ عبادت کے معنی بندگی کے بھی ہیں۔ لہٰذا اس معنی کے لحاظ سے ﴿اِيَّاكَ نَعۡبُدُ﴾ کے

معنی باادب کھڑے ہونا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، طواف کرنا، حج کرنا، زکوٰۃ دینا، صدقہ کرنا، نذر و نیاز کرنا، قربانی کرنا ان جیسے تمام کام صرف اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام: ۱۶۲)

”کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لیے ہیں۔“

❸ عبادت میں اطاعت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ﴾ (یٰسٓ: ۶۰)

”شیطان کی عبادت نہ کرو۔“

اس آیت میں عبادت سے مراد نماز، روزہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ کوئی بھی شیطان کو سجدہ نہیں کرتا، نہ اس کے لیے روزہ رکھتا ہے اور نہ ہی حج کرتا ہے۔ بلکہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے۔ گویا شیطان کی اطاعت ہی اس کی عبادت ہے۔

لہٰذا اللہ کے حکم کے آگے یا اللہ کے احکامات کو پسِ پشت ڈال کر کسی دوسرے کی اطاعت کرنا گویا اس کی عبادت کرنا ہے اور اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا شرک ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ (دیکھیے سورۃ الذاریات: ۵۶)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

مسلمانوں میں کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا صرف آپ ﷺ کے لیے بنائی گئی ہے۔ جیسا کہ اشعار میں ہے:

تیرے لیے ہی دنیا بنی ہے
نیلے فلک کی چادر تنی ہے

ایسی تمام باتیں آپ ﷺ کی شان میں حد سے زیادہ غلو کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اللہ سبحان و تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۶)

”میں نے جن و انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

لہٰذا یہ دنیا آپ ﷺ کے لیے نہیں بنی، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے اور جو روایت اس عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہے کہ ”اے نبی ﷺ! اگر آپ کو پیدا نہ کرنا ہوتا تو پوری کائنات کو پیدا نہ کرتے“ یہ روایت محدثین کی تصریحات سے من گھڑت ثابت ہوتی ہے۔ دیکھیے تحقیق کے لیے الفوائد المجموعة للشوکانی، صفحہ ۳۶۲، الاسرار المرفوعة ملا علی قاری ۳۸۵، کشف الخفاء للعجلونی ۲۱۲۳۔

استعانت (مدد مانگنا):

”ایاك نعبد“ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت شرک ہے اور کیونکہ ”ایاك نستعین“ کی بھی وہی ترکیب ہے جو ایاك نعبد کی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے سے مدد مانگنا بھی شرک ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

(الدعا هو العبادة)

(رواه الترمذی، ابواب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ج۳، ص۴۷۶)

”پکارنا عبادت ہے۔“

اور اسی کی مزید تائید سورۃ المؤمن کی آیت نمبر ۶۰ سے بھی ہوتی ہے کہ دعا و پکار یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

ایک اشکال اور اُس کا جواب:

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب مدد مانگنا عبادت ہے تو ”ایاك نعبد“ ہی سے

ثابت ہوتا ہے کہ مدد مانگنا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ اس کا علیحدہ ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ:

❶ لوگ عموماً مدد مانگنے کو عبادت نہیں سمجھتے، اس لیے خاص کر ذکر کیا۔

❷ عام کے بعد خاص کا ذکر اس کی اہمیت کی خاطر کیا جاتا ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ (البقرۃ: ۲۳۸)

"(تمام) نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی حفاظت کرو۔"

"الصلوات" میں بیچ والی نماز بھی شامل ہے لیکن اس کا علیحدہ ذکر اس کی اہمیت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

مدد کون کر سکتا ہے؟:

کیا قبر والوں کو پکارنا جائز ہے؟ مدد کرنے کے لیے ہر بات پر قدرت رکھنا ضروری ہے اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ (البقرۃ: ۱۰۷)

"اللہ کے علاوہ نہ تمہارا کوئی مددگار ہے نہ کارساز۔"

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ (آلِ عمران: ۱۲۶)

"مدد اللہ کے سوا کسی کے پاس سے نہیں آتی۔"

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ (اعراف: ۱۹۷)

"جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو وہ تمہاری مدد کی قوت نہیں رکھتے، بلکہ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔"

معلوم ہوا کہ دعا میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو پکارنا قطعاً جائز نہیں، اگر ہم غور کریں تو

معلوم ہوگا کہ دعا میں اللہ کے علاوہ کسی اور شخصیت سے مدد طلب کرنا سراسر حماقت ہے۔ کیونکہ جس سے ہم دعا کر رہے ہیں، یعنی مدد طلب کر رہے ہیں اس کا ہر چیز پر قادر ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ ہر طرح سے ہماری مدد کر سکے اور ایسا صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

"اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

قادر ہونے کے علاوہ مددگار کا ہر وقت آپ کو دیکھنا اور آپ کا سننا ضروری ہے، تاکہ مصیبت زدہ دن و رات، محفل و تنہائی جس جگہ و جس وقت بھی پکارے پکار سننے والا اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکے۔

اس کے علاوہ مددگار کا عالم الغیب ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ پکار سن کر مدد کرنے والے کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ مصیبت زدہ فلاں فلاں مقام پر اسے پکار رہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النمل: ۶۵)

"کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب کھڑے کیے جائیں گے۔"

عالم الغیب ہونے کے بعد مددگار کا ہر وقت جاگتے رہنا بھی چاہیے، تاکہ پکارنے والا جب کبھی بھی دن و رات کے حصے میں پکارے تو مددگار جاگ رہا ہو۔ اس کی ذات میں نیند تو کیا ذرا سی اونگھ کی بھی غفلت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾

(سورۃ بقرۃ: ۲۵۵)

"اللہ ہی معبودِ برحق ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے، جسے نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔"

قرآنِ مجید میں غور و تدبر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قادر مطلق ہر وقت و ہر جگہ

حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنے پر مکمل طور پر قادر ہوتا ہے۔ نیند، اونگھ، بھوک، ضرورتیں، کمزوریاں، بھول چوک، ذھول اور نسیان صرف و صرف مددگار ہی ان تمام چیزوں سے پاک ہوتا ہے اور یہ کمالات صرف اللہ تعالیٰ کی ہی صفات ہیں، اسی طرح عالم الغیب ہونا بھی صرف اللہ سبحان وتعالیٰ کی ہی صفتِ عالیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ﴾ (الاعراف: ۹۱-۹۲)

"کیا وہ ایسے لوگوں کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں، وہ ان شریک بنانے والوں کی مدد نہیں کر سکتے (اور ان کی مدد وہ کیا کریں گے) وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔"

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

(اياك نعبد واياك نستعين) کے الفاظ کے ساتھ شرک کا سد باب کر دیا گیا ہے، لیکن جن کے دلوں میں شرک کا روگ راہ پا گیا ہے وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کے فرق کو نظر انداز کر کے عوام کو مغالطے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو! ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو ڈاکٹر سے مدد حاصل کرتے ہیں، کہیں جانا ہو تو ڈرائیور کے ذریعے مدد حاصل کرتے ہیں۔ کپڑے سلوانے ہو تو درزی کے ذریعے مدد حاصل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح یہ لوگ عوام کو یہ باور کراتے ہیں کہ دعا میں بھی اللہ کے علاوہ اوروں سے مدد مانگنا جائز ہے چاہے وہ قبر میں مدفون ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ ماتحت الاسباب (یعنی اسباب کے تحت ہماری آواز سن کر، ہمیں دیکھ کر، ہمیں دوائی دے کر وغیرہ) کے ذریعے ایک دوسرے کی مدد چاہنا اور مدد کرنا شرک نہیں ہے یہ تو وہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے، جس کے سارے کام ظاہری اسباب کے مطابق ہی ہوتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الصف: ۱۴)

"اللہ کے دین کے لیے کون میرا مددگار ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: ۲)

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

لہٰذا کسی ایسے شخص سے مدد طلب کی جائے جو ظاہری اسباب کے لحاظ سے مدد نہ کر سکتا ہو، جیسے کسی فوت شدہ شخص کو مدد کے لیے پکارنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، دور و نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے کی صلاحیت سے بہرہ ور تسلیم کرنا ہی مافوق الاسباب طریقے سے مدد طلب کرنا ہے اور اسی کا نام شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی قادر مطلق ہے اور وہ ہی مافوق الاسباب پر مددگار ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں نصیحت حاصل کرنے کے لیے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جھل کے ایمان لانے کے واقعہ پر غور کریں، واضح ہو گا کہ مددگار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے چار لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا کہ اگر وہ کعبہ کے غلاف بھی پکڑیں ہوں انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان میں عکرمہ بھی تھے جو ابو جہل کے بیٹے تھے۔ جب انہوں نے یہ سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں موت کی خبر سنا دی تو وہ سمندر میں سوار ہو گئے اچانک زبردست قسم کا طوفان آ پہنچا، اصحاب کشتی (ملاح) نے کہا:

"اخلصوا الھتکم لا تغنی عنکم ھھنا شیئاً"

"اپنے معبودوں کو خالص ہو کر پکارو کیونکہ آج اس سے کوئی بچا نہیں سکتا"

عکرمہ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر (سچا معبود ہی) مجھے اس سمندر کے طوفان سے بچا سکتا ہے تو وہی خشکی میں بھی میری مدد کر سکتا ہے۔ عکرمہ بن ابی جھل نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے اللہ! اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے بچا دیا تو میں نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا (یعنی ایمان قبول کر لوں گا)۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا اور اس نے نبی

کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قبول کر لیا۔

تفصیل کے لیے دیکھیے الاصابة لابن حجر، رقم: ۶۳۶۰، الاستیعاب لابن عبدالبر، رقم: ۱۸۵۷، اسد الغابة لابن اثیر، رقم: ۳۷۴۱، تھذیب التھذیب لابن حجر، ج:۷، ص۲۵۷۔

غور کیجیے کیا اللہ کے سوا کوئی اور مدد کرنے پر قادر ہو سکتا ہے؟ عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی وجہ ہی مدد مافوق الاسباب ہوا۔ اگر وہ اس عقیدے کو نہ سمجھتے تو ان کے لیے ہدایت کی راہ نہ بنتی۔

اھدنا	الصراط	المستقیم
دکھا ہمیں	راستہ	سیدھا/سچا

(اھدنا) ہدایت کے دو مفہوم ہیں:

❶ راستے کی طرف رہنمائی کرنا۔

❷ رہنمائی کرتے ہوئے رستہ پر چلا کر منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔

(صراط المستقیم) سیدھا اور سچا راستہ، سیدھا راستہ صرف اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلۡ إِنَّنِي هَدَىٰنِي رَبِّيٓ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ دِينٗا قِيَمٗا﴾ (الانعام: ۱۶۱)

"(اے رسول ﷺ) کہہ دیں بے شک میرے رب نے مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کر دی ہے اور وہ راستہ دین قیم (یعنی سیدھا دین) ہے۔"

اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

"بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔"

معلوم ہوا کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے، اور اسلام کے قانون، احکامات، قرآن

و سنت میں موجود ہیں۔ لہٰذا صراط مستقیم پر چلنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف قرآن و سنت کی اتباع کی جائے۔ اور (اھدنا الصراط المستقیم) اس استقامت والے راستہ پر چلنے کے لیے استقامت کی دعا ہے کہ اے اللہ ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رکھ۔ ہم تھک نہ جائیں، بھٹک نہ جائیں، ادھر اُدھر ڈگمگا نہ جائیں تو ہمیں شیطانی وسوسے سے بچا۔ صرف قرآن وسنت پر گامزن رکھ اور منزلِ مقصود تک پہنچا۔

الصراط	الذین	انعمت علیهم
راستہ	اُن لوگوں کا	جن پر تو نے انعام کیا

اس آیت میں پچھلی آیت کا خلاصہ ہے، وضاحت ہے کہ ہمیں سیدھے رستہ پر چلا اور ان لوگوں کے رستہ پر چلا جن پر تو نے اپنا انعام کیا، خاص فضل کیا۔ اللہ تعالیٰ سورہ النساء میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَۚ وَحَسُنَ أُوْلَٰٓئِكَ رَفِيقٗا﴾

(النساء: ۶۹)

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور ان کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔"

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکامات کی اطاعت کرتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث میں موجود ہیں وہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں۔ انہی لوگوں کے رستے پر جن لوگوں پر اللہ کا فضل ہوا، انعام ہوا، اور اس دعا کا اگلا حصہ اس کو جامع و مکمل کر دیتا ہے۔

غیر	المغضوب	علیهم	و	لا	الضالین
نہیں	غضب ہوا	اُن پر	اور	نہیں	گمراہ ہوئے

نہیں چلا ہمیں ان کے رستہ پر جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

(مغضوب علیھم) سے مراد خاص طور پر یہودی ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ (بقرۃ: ٦١)

"بنی اسرائیل (یہودیوں) پر ذلت اور غربت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے"

(الضالین) سے مراد خاص کر نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ ان لوگوں کی نقالی کرتا ہے جو دنیاوی لحاظ سے بظاہر بہتر دکھائی دیتے ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کی پیروی سے منع فرما دیا۔ چاہے یہ دونوں قومیں بظاہر کتنے ہی عروج پر کیوں نہ ہوں۔

آپ ﷺ عبادت کے معاملات اور دوسرے دنیاوی معاملات، ہر طرح کے معاملات و حالات میں یہود و نصاریٰ سے مخالفت اختیار کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی مخالفت میں اس قدر شدت تھی کہ یہودی بھی بول پڑے۔

"اس شخص نے (یعنی نبی ﷺ) نے تو یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہر کام میں ہماری مخالفت کرے۔" (صحیح مسلم)

لیکن افسوس! صد افسوس! امت مسلمہ قرآن و سنت کے نور کی ہدایت کو چھوڑ کر باطل اور گمراہ کر دینے والے بد ترین عقائد کے پیروں میں اندھے ہو کر اوندھے منہ جہنم میں گر رہے ہیں۔

Birthday, Mother/Father day, Velaintin day، Celebrate کرنا شروع کر دیئے۔ اسکول و کالج میں مخلوط تعلیمی نظام، بے پردہ اساتذہ، خوشی و غم میں غیر شرعی رسومات کو شامل کر لیا جس کے نتیجے میں آج امتِ مسلمہ کی نسل قرآن و سنت سے دور ہو کر مغرب سے اس قدر متاثر اور قریب ہو گئی ہے کہ وہ اپنے اصل کو بھی فراموش کر بیٹھی ہے۔

خدارا! مسلمانو اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرو۔ بلکہ سچے مسلمان بنو اور ایمان والو! اگر واقعی ایک اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو تو دوسری قوموں کی اتنی ہی شدت سے مخالفت اختیار کرو جتنا رسول ﷺ کرتے تھے۔

اور جب ہمارے قلوب میں رسول اللہ ﷺ کی محبت، صحابہ کی محبت اور شہداء کی محبت بس جائے اور یہود و نصاریٰ کے طور و طریقے سے نفرت ہونے لگ جائے تو سمجھ لیجیے کہ ہمارا ایمان واقعی میں ایمان کہلانے کے قابل ہو چکا ہے اور قرآن و حدیث کے احکامات ہماری رگوں میں بس چکے ہیں۔

نوٹ: رسول اللہ ﷺ جب سورۃ الفاتحہ مکمل کرتے تو آمین کہتے۔ (دیکھیے صحیح البخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری زندگی کو اپنے دین کے مطابق بنا دے، ہمیں سیدھے رستہ پر گامزن رکھے اور اپنے دشمنوں کے طریقے اور ان کی پیروی سے محفوظ رکھے۔ آمین

شمائلہ حسین
(M.COM)
مدیرہ
اصلاح النساء اسلامک ایجوکیشن سینٹر